اُردو (لازمی) وقت: 2.40 گھنٹے	انٹر (پارٹ-II) 2017ء (دوسرا گروپ)	پرچہ II: (انشائیہ طرز) کل نمبر: 80

(حصہ اوّل)

سوال :2-(الف) درجِ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,1,8)

ترے قدم پہ نظر آئے محفلِ انجم
وہ بانکپن، وہ اچھوتا شباب پیدا کر
ترا شباب امانت ہے ساری دنیا کی
تو خارزارِ جہاں میں گلاب پیدا کر

جواب : حوالۂ متن:

نظم کا عنوان: نوجوان سے خطاب — شاعر کا نام: اسرارالحق مجاز

تشریح:

- ان اشعار میں شاعر اسرارالحق مجاز نوجوان نسل سے مخاطب ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اپنے اندر ایسی جوانی اور ایسی خوبیاں پیدا کرو کہ آسمان کے ستارے بھی تمھارے قدموں میں آ جائیں یعنی اپنے آپ کو بہت اونچے مقاصد کے حصول کے لیے وقف کر دو۔
- کسی بھی انسان کے اندر جو صلاحیتیں ہوتی ہیں وہ پوری قوم کی امانت ہوتی ہیں۔ شاعر نوجوانوں سے کہتا ہے کہ کیا تمھاری جوانی، قوت اور دیگر صلاحیتیں صرف تمھاری ذات کے لیے نہیں ہیں؟ انھیں استعمال میں لاؤ اور پورے معاشرے، پورے ملک اور پوری دنیا کو اس سے فائدہ پہنچاؤ۔ دنیا جو دکھ، پریشانی، مسائل اور رنج و غم کے کانٹوں سے بھری ہوئی ہے اسے ان کانٹوں سے نجات دلاؤ اور ہر طرف مسرت و شادمانی کے مہکتے گلاب پیدا کرو۔

(ب) درجِ ذیل اشعار کی تشریح الگ الگ کیجیے اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,3,3,3)

بے ہنر دشمنئ اہلِ ہنر سے آ کر
منہ پہ چڑھتے تو ہیں، پر جی سے اتر جاتے ہیں
ہم کسی راہ سے واقف نہیں، جوں نورِ نظر
رہنما تو ہی تو ہوتا ہے، جدھر جاتے ہیں

آہ! معلوم نہیں، ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے، سو یہ کدھر جاتے ہیں

جواب : شاعر کا نام: میر درد

شعر نمبر-1

تشریح:-

اس شعر میں شاعر میر درد نے ایک بہت بڑی سچائی بیان کر دی ہے کہ عام طور پر اپنی چرب زبانی اور خوشامدی طبیعت کی وجہ سے نااہل اور کم درجہ لوگ صاحبانِ اقتدار کی نظروں میں اپنا مقام بنا لیتے ہیں اور درباروں میں بڑے بڑے عہدے حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان اعلیٰ عہدوں پر براجمان ہو کر واقعی ہنر اور جوہر والے بن جاتے ہیں۔ اُن کی نااہلی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ لوہے کو جس قدر رگڑا جائے، چمکایا جائے وہ اور زیادہ کالا ہی ہوتا جاتا ہے۔ اس میں سونے چاندی کی سی چمک پیدا نہیں ہو سکتی۔

بس یہی وجہ ہے نااہل آدمی جس قدر بھی خود کو نکھارے، جھوٹے سہارے حاصل کرے وہ ہنرمندی کی جگہ نہیں لے سکتا۔ وہ عارضی عہدہ، شہرت اور اختیار تو حاصل کر سکتا ہے، مگر لوگ اُس کی اصلیت کو جانتے ہیں وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا۔ یہ لوگ، لوگوں کی نظروں میں باکمال ہرگز نہیں گردانے جا سکتے ان کی فطرت وہی حقیر ہی رہتی ہے۔

شعر نمبر-2

تشریح:-

شاعر میر درد عالم باعمل صوفی تھے۔ ان کی شاعری میں صوفیانہ خیالات اور مسائل بڑی کثرت اور بڑی خوبصورتی سے بیان کیے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح آنکھ سیدھا دیکھتی ہے اور پیچھے نہیں دیکھتی اسی طرح ہمارے پیش نظر بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ چونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا راہنما بنا لیا ہے اس لیے ہر جگہ وہی ہماری راہنمائی کرتا ہے، ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ ہم خود کسی بھی راہ پر گامزن ہونے کی طاقت نہیں رکھتے، بلکہ وہی ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ شاعر دراصل مسلمان کے اندر اس یقین کی شمع فروزاں کرنا چاہتا ہے کہ اگر اللہ پر ہمارا ایمان پختہ ہو تو ہم ہر معاملے میں اللہ کو اپنا رہنما بنائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے پر بھروسہ رکھنے والوں کو کبھی بھی مایوس نہیں کرتا اور ہمیشہ ان کی رہنمائی کرتا ہے، اس لیے اُس پر یقین کامل رکھنے والے بُرے سے بُرے حالات میں بھی مایوس نہیں ہوتے۔ یہی یقین کامل انھیں مشکل حالات میں بھی کامیابی حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے۔

شعر نمبر-3

تشریح:

شاعر میر دردؔ انسانی زندگی کے دنیاوی عرصے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ جانے رات دن ہمارے ساتھ رہنے والے لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں! انجان بن کر پوچھنے میں بڑا شاعرانہ لطف ہے کہ اس زندگی میں تو ہم ان جانے والوں کے دوست تھے۔ ہر جگہ ان کا ساتھ دیتے' ان کے ساتھ چلتے پھرتے' گھومتے تھے' لیکن موت کے بعد اچانک ہمارے ساتھی ہمارا ساتھ چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلے جاتے ہیں۔ دردؔ موت کو اپنے مخصوص لہجے میں شعر کا جامہ پہنا رہے ہیں کہ مرنے کے بعد لوگ قبروں کے مہمان بن جاتے ہیں اور کسی کی خبر نہیں آتی۔ ایسے سوالات ہر دور میں انسان کو حیران کرتے رہتے ہیں' کیونکہ موت کے بعد کی زندگی ایک ایسا راز ہے جسے فاش نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں انسان کا ذہن بہت کچھ جاننے کا خواہشمند ہے۔ اَن گنت لوگ ہمارے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے ایک نئے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں اور ہمیں اُن کی منزل کا علم نہیں ہوتا۔

(حصہ دوم)

سوال: 3- سیاق و سباق کے حوالے سے کسی ایک جز کی تشریح کیجیے۔ نیز سبق کا عنوان اور مصنف کا نام بھی لکھیے: (1,1,3,10)

(الف) ہم سب کی زندگیوں میں مرحوم کے گھل مل جانے کا راز یہ تھا کہ اُن میں بظاہر کوئی بات غیر معمولی نہ تھی۔ وہ غیر معمولی قابلیت کے آدمی نہ تھے' دولت مند نہ تھے' کچھ بہت ذہین بھی نہ تھے۔ نہ انھیں توڑ جوڑ آتا تھا' نہ خوش پوشاک' نہ خوش گفتار' نہ خوش باش' نہ رنگین ورعنا۔ وہ معمولی آدمیوں سے بھی زیادہ معمولی تھے۔ پھر بھی وہ ایسے تھے کہ اب ہم میں ویسا کوئی اور نہ اب ڈھونڈے سے بھی کوئی ایسا ملے۔

جواب: حوالہ متن:

سبق کا عنوان: ایوب عباسی مصنف کا نام: پروفیسر رشید احمد صدیقی

سیاق و سباق:

اس سبق میں ایوب عباسی کی شخصیت کے مختلف پہلو باریک بینی سے تحریر کیے گئے ہیں۔ آپ اپنے دوست احباب کے کام بلا غرض کرتے تھے۔ اگر کسی کے ہاں خوشی کا کوئی کام ہوتا یا غمی کا کوئی موقع ہوتا' ایوب صاحب سب سے پہلے وہاں پہنچ جاتے اور بڑھ چڑھ کر ہر طرح کے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔

اگر کوئی دوست بیمار پڑ جاتا تو اس کی تیمارداری کے لیے پہنچ جاتے۔ اس کے پاؤں دباتے' اس کے لیے دوائی لے کر آتے اور کھانا وغیرہ بھی تیار کر دیتے تھے۔ آپ کے دوست احباب اس قدر آپ کے محتاج ہو گئے تھے کہ وہ ہر کام کو سمجھتے تھے کہ یہ ایوب صاحب کی ہی ذمہ داری ہے۔

تشریح:

زیرِ بحث پیراگراف میں مصنف نے ایوب عباسی کی شخصیت میں پائی جانے والی خاصیتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ ایوب عباسی ہم سب کی زندگی کا ایک اہم جز بن چکے تھے۔ اس کا راز یہ تھا کہ اُن میں ظاہری طور پر کوئی ایسی بات نہ نمایاں ہوتی تھی اور نہ ہی نظر آتی تھی' بلکہ وہ ایک عام انسان تھے اور عام ہی لگتے تھے۔ ایوب عباسی کسی خاص قابلیت کے مالک بھی نہیں تھے' نہ تو وہ بہت زیادہ امیر تھے نہ ذہین' بلکہ عام سے لوگوں سے بھی زیادہ عام تھے۔ وہ چالاک انسان بالکل نہیں تھے اور نہ ہی تیز آدمیوں کی طرح باہمی جوڑ توڑ سے واقف تھے۔ ایوب عباسی ایک سادہ لوح شخصیت کے مالک تھے۔ نہ تو وہ امیرانہ مہنگا لباس پہنتے تھے' نہ اچھی گفتگو کرنے کرنے والے تھے' نہ ہی خوش مزاج اور خوبصورت آدمی تھے' بلکہ وہ تو عام آدمی تھے۔ اس کے باوجود اُن جیسی شخصیت کا آدمی ڈھونڈنے کو بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ عملی طور پر انتہائی ملنسار' بااخلاق اور سادہ لوح شخص تھے۔

(ب) ورنہ درحقیقت سُپر مارکیٹ ایسی شیطان کی آنت ہے کہ دل چاہتا ہے کہ خود ٹرالی میں لٹک جائیں۔ اس ادارے کی افراط دیکھ کر انسان ایشیا' افریقہ کی بھوک اور قحط بھول جاتا ہے۔ اس جگہ بلا ارادہ اور بلا ضرورت خریداری کرنی پڑتی ہے۔ ہر شے کی پچاس قسمیں اور ہر قسم چھت تک چنی ہوئی۔ ہر دوسرے قدم میں سیل لکھا ہوا۔ اگر نقد نہیں تو ادھار لیجیے۔ سُپر مارکیٹ میں جا کر عورت کی آنکھیں اور بٹوے کھل جاتے ہیں۔

جواب: حوالہ متن:

سبق کا عنوان: ہوائی مصنف کا نام: بیگم اختر ریاض الدین

سیاق و سباق:

بیگم اختر ریاض الدین کی کتاب ''دھنک پر قدم'' میں ہوائی کے جزائر کی سیاحت کا خوشگوار بیان ہے۔ وہ اپنی بیٹی ناز کے ساتھ رات کے گیارہ بجے ہوائی کے دارالحکومت ''ہونولولو'' کے ہوائی اڈے پر اتریں تو ان کے میاں ریاض الدین غائب تھے۔ وہ ایک ٹیکسی میں ایسٹ ویسٹ سنٹر کے ہائی رائز ہوسٹل کے قریب پہنچیں تو دو کاریں ان کے پاس آ کر رکیں۔ ایک کار میں سے لڑکیاں چیختی چلاتی اتریں اور

انھوں نے بیگم اختر کو پھولوں کے ہار پہنائے۔ دوسری کار میں سے نوجوان باہر آئے جو ہوائی کے عوامی استقبالیہ گیت گا رہے تھے۔ انھی میں ریاض الدین شامل تھے۔ اس ہنگامے میں ان سے شکوہ و شکایت بھی نہ ہو سکی۔ گھر پہنچے تو گرد و غبار اور گندے کپڑوں اور خراب برتنوں کا سامنا ہوا۔ وہ لکھتی ہیں کہ میں نے صبح اٹھ کر ناز کی مدد سے گھر کی صفائی کی۔ ہم تھک گئے اور لنچ ہوٹل سے کیا۔ شام کو سپر مارکیٹ چلے گئے۔

تشریح:

مندرجہ بالا پیراگراف میں مصنفہ کہتی ہیں کہ سپر مارکیٹ کی طوالت سے گھبرا کر انسان کا یہی دل چاہنے لگتا ہے کہ وہ جو چار پہیوں والی ٹرالی ہے وہ اس میں سامان کے ساتھ ساتھ خود بھی بیٹھ جائے اور کوئی اس کو کھینچے۔ یہاں اشیا کے اس قدر زیادہ ہیں اور ہر چیز اتنی وافر ہے کہ انسان کو ایشیا اور افریقہ کے بھوکے ننگے سب بھول جاتے ہیں۔ یہاں آپ کو ایسے للچایا جاتا ہے کہ آپ بلا ضرورت بھی چیزیں خرید لیتے ہیں۔ ہر چیز کی پچاس قسمیں ہیں اور ہر قسم چھت تک سلیقے سے رکھی ہوتی ہے۔ ہر دوسرے قدم پر سیل کا بورڈ لگا ہے گویا مارکیٹ سستی دے رہے ہیں۔ ارادہ ہو نہ ہو خریداری ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی نقد نہیں لے سکتا تو بے شک ادھار لیجیے، مگر آپ لیے بغیر رہ نہیں سکتے۔ سُپر مارکیٹ میں جا کر عورتوں کی آنکھیں اور بٹوے دونوں کھل جاتے ہیں۔ مضمون نگار خود بھی عورت ہے اور عورتوں کی نفسیات سے خوب واقف ہے کہ عورتیں خریداری کا زیادہ شوق رکھتی ہیں۔ قسم قسم کی چیزیں دیکھ کر منہ میں پانی آ ہی جاتا ہے، اس لیے اپنی حد سے زیادہ خریداری کر لیتی ہیں۔ مضمون نگار نے بھی بیس ڈالر کی چیزیں خریدیں۔ اُس کی کار سامان سے بھر گئی۔

سوال 4:- درجِ ذیل میں سے کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی تحریر کیجیے:

(الف) اکبری کی حماقتیں (ب) دستک (1,9)

(الف) اکبری کی حماقتیں

: **مصنف کا نام:-** مولوی نذیر احمد

خلاصہ:-

اکبری (مزاج دار بہو) ایک بدسلیقہ اور نادان لڑکی تھی جو سسرال والوں سے لڑ جھگڑ کر خاوند کے ساتھ علیحدہ گھر میں رہنے لگی۔ انھی دنوں شہر میں کسی مکارن اور ٹھگ عورت کی آمد کا شور مچا ہوا تھا، جو بہانے بہانے سے گھروں میں داخل ہو کر سادہ لوح گھریلو خواتین کو لوٹ لیتی تھی۔

اگر چہ اکبری کے خاوند محمد عاقل نے گھر میں کہہ بھی رکھا تھا کہ کسی اجنبی عورت کو گھر میں نہ گھسنے دینا

لیکن اکبری چونکہ پرلے درجے کی غیر ذمے دار اور احمق واقع ہوئی تھی' اس لیے جب ایک دن وہی مکار عورت جُجن (حاجن) کا بھیس بدل کر گلی میں آئی اور گلی کی عورتوں کو پھسلانے اور ورغلانے کے لیے تبرکات وغیرہ دکھانے شروع کیے تو اکبری سے بھی نہ رہا گیا۔ اس نے اپنی ملازمہ زلفن کے ذریعے نام نہاد جُجن کو اپنے گھر بلالیا۔ پھر اس کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو کر اس کی خوب خاطر داری اور تواضع کی۔ اس کے تبرکات میں سے دو چیزیں یعنی سرمہ اور نادِ علی بھی اپنے لیے پسند کرلیں۔

مکار عورت پہلی ہی نظر میں بھانپ گئی کہ یہ احمق لڑکی اس کے بہکاوے میں آجائے گی۔ اسی لیے اس نے نہ صرف اسے نہایت سستے داموں چیزیں فراہم کردیں بلکہ دو ایک اشیا تحفے کے طور پر مفت بھی دیدیں' جس سے اکبری اس پر بالکل ہی لٹو ہوگئی۔ اکبری اب تک بے اولاد تھی۔ کٹنی نے اسے اولاد پیدا کرنے کا نسخہ بتا کے اور بھی گرویدہ کرلیا۔ ساتھ ہی اپنے حج اور جہاز کے سفر کی داستانیں نمک مرچ لگا کے اس طرح بیان کیں کہ اکبری دن رات جُجن کے گن گانے لگی۔

پھر جُجن نے ایک چال اور چلی کہ دو روپے والا ریشمی ازار بند اکبری کو چار آنے میں فروخت کردیا۔ میاں کی محبت حاصل کرنے کے لیے تعویز گنڈا کر دینے کا بھی وعدہ کرلیا۔ باتوں باتوں میں جُجن نے بھوپال کی بیگم بلقیس جہانی بیگم کا قصہ ایسے رقت انگیز انداز میں بیان کیا کہ اکبری کا دل پگھلے بغیر نہ رہ سکا۔ کوہِ حبشہ پہ مقیم شاہ صاحب کے دم اور اس کے طلسماتی اثرات نے تو گویا اکبری کو جُجن کا دیوانہ بنا دیا۔

ایک آفت یہ ہوئی کہ اکبری کی خریدی ہوئی سستی چیزیں دیکھ کر محمد عاقل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ گویا لالچ نے میاں بیوی دونوں کے حواس کو جکڑ لیا۔ اسی طمع میں آکر اکبری اور جُجن کے درمیان باقاعدہ ماں بیٹی کا رشتہ قائم ہوا۔ دو چار روز بعد جُجن جھوٹے موتیوں کی ایک جوڑی لائی' جسے دیکھ کر اکبری کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اکبری نے پیسے نہ ہونے کا تذکرہ کیا' تو جُجن نے اسے اکسایا کہ اتنے قیمتی موتی نکل گئے تو دوبارہ کب ہاتھ آئیں گے' اس لیے پہنچیاں بیچ کر لے لو۔ اکبری لالچ میں آکر زیورات کا صندوقچہ اٹھا لائی۔ جُجن نے زیورات کی حالت دیکھی تو سر پکڑ کے بیٹھ گئی اور فوری طور پر میلے کچیلے زیور کو دھلوانے اور دھگدگی میں ڈورڈلوانے کا مشورہ دیا۔ اکبری نے خاوند کی مصروفیت کا بہانہ بنایا تو جُجن نے اپنی خدمات پیش کردیں۔ اکبری بھی مان گئی اور احتیاط کے طور پر زلفن کو ساتھ کردیا۔ راستے میں ناک کی کیل گھر رہ جانے کا بہانہ کر کے جُجن نے زلفن کو گھر کی جانب دوڑایا اور خود زیور سمیت کہیں غائب ہوگئی۔ ایسے میں اکبری نے زلفن کو ہر طرف دوڑایا۔ محلے کے لوگ بھی تلاش کو نکلے۔ جُجن کے بتائے ہوئے ٹھکانوں پر بھی ڈھونڈا۔ لیکن جُجن تو سب کو چکمہ دے کر کہیں غائب ہو چکی تھی۔ بعد میں میاں بیوی

کے درمیان خوب لڑائی ہوئی۔ محلے بھر میں بدنامی الگ سے ہوئی۔ باتوں باتوں میں علم ہوا کہ اسی کٹنی (حجن) نے کنجنی کی گلی میں احمد بخش خان کی بی بی اور روئی کے کٹڑے میں میاں مسیتا کی بیٹی کا تمام زیور کسی فقیر سے دگنا کروانے کے بہانے ٹھگ لیا تھا۔

اکبری کو جو کپڑے جہیز میں ملے تھے، وہ بھی دھوپ اور ہوا نہ لگوانے کی وجہ سے دیمک کی نذر ہو گئے۔ گھر کے قیمتی برتن بھی عدم احتیاط کی بنا پر چوری ہو گئے۔ یوں محمد عاقل کا ہنستا بستا خوش حال گھر بیوی کی بدسلیقگی اور پھوہڑپن کی وجہ سے طرح طرح کے مسائل و مشکلات کا شکار ہو گیا۔

(ب) دستک

جواب: جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (پہلا گروپ)، سوال نمبر 4 (الف)۔

سوال: 5- نظم "خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر" کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (5)

جواب: جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (پہلا گروپ)، سوال نمبر 5۔

سوال: 6- درجِ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر مفصل مضمون تحریر کیجیے: (20)

(الف) پابندیٔ وقت (ب) حُبِّ وطن

(ج) موبائل فون: اک سہولت؟

(الف) پابندیٔ وقت

جواب: مفہوم:-

زندگی کا ہر لمحہ وقت کہلاتا ہے۔ وقت اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اصل میں وقت ہی زندگی ہے اور زندگی کا اچھا یا بُرا ہونا بھی وقت کے اچھے یا بُرے استعمال پر منحصر ہے۔ پابندیٔ وقت کا مطلب ہے ہر کام کو اس کے وقتِ مقررہ پر انجام دینا۔

ے گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں

اہمیت:-

پابندیٔ وقت حیاتِ انسانی میں بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ کائنات میں پابندیٔ وقت کا بہت زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ جو قومیں انفرادی اور اجتماعی طور پر وقت کی پابندی کرتی ہیں وہ دنیا میں کمال حاصل کر لیتی ہیں اور جو قومیں وقت کی پابندی کا خیال نہیں رکھتیں، زمانہ انھیں پاؤں تلے روند دیتا ہے۔

نظامِ کائنات وقت کا پابند:-

کائنات کی قدرت پر نگاہ دوڑائیے تو آپ دیکھیں گے کہ سورج' چاند اور ستارے اپنے اپنے وقت کے پابند ہیں۔ صبح سویرے مقررہ وقت پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ چاند بھی مقررہ وقت پر اپنے چہرے سے نقاب اُٹھاتا ہے۔ موسموں کو ہی دیکھ لیں۔ ہر موسم کا ایک خاص وقت ہے۔ کبھی بہار' کبھی خزاں' کبھی سردی اور کبھی گرمی۔ ہر موسم اپنے وقت پر ہی آتا ہے۔ گندم بونے کا موسم الگ ہے اور چاول بونے کا موسم الگ۔ اسی طرح مختلف سبزیاں' پھل اور پھول اپنے اپنے موسم کے حاجت مند ہیں۔ برف کا پگھلنا' بادِ نسیم کا چلنا، پھولوں کا کِھلنا' مدوجزر کا پیدا ہونا' یہ سب وقت کی پابندی کے محتاج ہیں۔

دین میں پابندیٔ وقت:-

اسلام دینِ فطرت ہے اور وقت کی پابندی پر بہت زور دیتا ہے۔ اسلام عملی طور پر پابندیٔ وقت کی تربیت دیتا ہے۔ پنجگانہ نماز' ماہِ رمضان کے روزے' سحری و افطاری' حج و قربانی' عیدیں اور تمام دینی فرائض وقت کی پابندی کا پیغام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عبادات کا وقت مقرر فرما کر انسان کو خبردار کیا ہے کہ "دنیا عارضی ہے۔ انسان خسارے میں ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ وہ وقت (قیامت) ضرور آ کر رہے گا۔" دنیا کی زندگی ختم ہونے سے پہلے آخرت کی فکر کریں۔ وقت کی قدر کریں کہ یہ دوبارہ حاصل نہ ہوگا۔

معیارِ ترقی و کامرانی:-

جو ہر کام کرتا رہے وقت پر
ملے اُس کو آرام شام و سحر

افراد یا اقوام کی ترقی و کامرانی کا انحصار پابندیٔ وقت میں ہے۔ ترقی یافتہ قومیں اور افراد وقت کی قدر و قیمت سمجھتے ہیں اور اس کے ایک ایک لمحے کو بیش قیمت جانتے ہیں۔ آج جو اقوام دنیا میں سربلند اور سرفراز ہیں' وہ وقت کی قدر و قیمت جان کر ہی اس مقام پر پہنچی ہیں' لیکن جن قوموں نے وقت کی قدر نہ جانی اور اس کی پابندی نہ کی وہ زوال کا شکار ہو گئیں۔ افراد کا بھی یہی حال ہے۔ کہتے ہیں کہ مشہور فاتح نپولین کا جرنیل میدانِ جنگ میں صرف چند منٹ دیر سے پہنچا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے شکستِ فاش ہوئی اور نپولین کو اس کی سزا عمر بھر بھگتنا پڑی۔

طالب علم اور وقت کی پابندی:-

ایک طالب علم کی کل پونجی وقت ہے۔ اس کے روشن مستقبل کا انحصار اسی پونجی پر ہے۔ اگر طالب علم لذتِ علم سے واقف ہو' اس کے شب و روز حصولِ علم ہی میں بسر ہوں تو کامیابی اس کے قدم ضرور

چومے گی' کیونکہ تعلیم کا مقصد ہی طلباء کو نظم وضبط اور با قاعدگی سے زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی تعلیمی ادارے کا کھلنا' وقت پر دُعا اور اسمبلی' وقت پر تفریح' وقت پر اِس کا بند ہونا' وقت پر تمام مضامین کی پڑھائی وغیرہ ہمیں وقت کی پابندی کا احساس دلاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یقینی بات ہے کہ کسی بھی تعلیمی ادارے میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ قائم نہ رہ سکے۔ ہر طرف ایک ہنگامہ اور بدنظمی کا عالم ہو۔

وقت کی دوستی:۔

وقت کی قدر کی جائے تو یہ انسان کا بہت بڑا دوست ہے۔ یہ دوستی کا حق ادا کرتا ہے۔ انسان مستعدی اور فرض شناسی سے کام لے تو وقت اسے کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اسے محنت کا بہترین پھل دیتا ہے۔ کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ جو افراد آگے بڑھ کر وقت کا دامن تھام لیتے ہیں وہ طوفان کا رُخ موڑ دیتے ہیں۔ صدیاں گزر جاتی ہیں مگر قوم کے ہیرو زندہ وتابندہ رہتے ہیں۔

وقت کی دشمنی:۔

وقت انسان کا دشمن بھی ہے۔ اگر انسان غفلت سے کام لے اور خوابِ خرگوش میں پڑا رہے تو وقت اسے اپنے پاؤں تلے روند کر گزر جاتا ہے۔ اس کا نام ونشاں مٹا دیتا ہے۔ اس کے حصے میں سوائے ناکامی وحسرت کے کچھ نہیں آتا۔

پابندیٔ وقت کا احساس:۔

انسان کی زندگی بہت ہی مختصر ہے' لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ اس وقت کو غنیمت جانیں۔ وقت کی پابندی کریں اور اس مہلت سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔ اور پابندیٔ وقت کے ساتھ ایسے کام کر جائیں جو رہتی دنیا تک یاد رہیں۔

(ب) حُبِّ وطن

جواب : تخلیقِ کائنات کے دو اجزاء نہایت اہم ہیں: ایک آسمان اور دوسرا زمین۔ آسمان ارفع اور روحانی قدروں کا نمائندہ ہے اور زمین مادی اور اقدارِ حیات کی حامل ہے۔ اس لیے بعض صوفیاء کے نزدیک آسمان زمین سے بہتر ہے' لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے' جو معتدل اقدارِ حیات کا داعی ہے۔ ہمارے مذہب کے نقطۂ نظر سے زندگی روحانی اور مادی قدروں کے حسین امتزاج کا نام ہے۔ چنانچہ ہمارے نظامِ حیات میں زمین کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل ہے جتنی آسمان کو۔ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''حب الوطن من الایمان'' یعنی وطن کی محبت جزوِ ایمان ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جو کوتاہ

اندیش سرد مہر اس دھرتی سے محبت و وفا نہیں کرتا، جس کی کوکھ سے اس نے جنم لیا ہے تو وہ کائنات کی کسی بھی دوسری چیز سے اعلیٰ اور سچی محبت نہیں کر سکتا۔ وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے جسے کسی صورت میں نہیں دبایا جاسکتا۔ یہ ایک سدا بہار پھول کی مانند ہے جس کی تازگی اور شگفتگی ہر موسم میں برقرار رہتی ہے۔ چنانچہ ہر زمانے کے دانشور، ادیب اور شاعر اس پاکیزہ جذبے سے سرشار و مست رہے ہیں اور وطن کی محبت کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ فن کے شاہکار کی حیثیت حاصل کر گیا ہے۔

شاعروں اور دانشوروں پر ہی یہ منحصر نہیں ہے کہ وہ حبِ وطن کے مقدس جذبے کو کتنے خوبصورت انداز میں ظاہر کریں، بلکہ ہر شخص خواہ وہ تہذیب یافتہ ہو، متمدن ہو اور عالم و فاضل ہو یا تہذیب و تمدن سے محروم اور علم و فضل سے بے بہرہ، اپنی مادرِ وطن سے محبت کرتا ہے اور کرنا بھی چاہیے۔ لیکن وطن سے محبت کرنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دوسرے ممالک کے افراد سے نفرت کی جائے۔ خصوصاً ہمارے مذہب اسلام نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ اس کی ایک منطقی وجہ یہ ہے کہ کل روئے زمین بھی ایک طرح کا وسیع دعریض وطن ہے اور اس پر بسنے والے افراد ایک دوسرے کے ہم وطن ہیں۔ نیز حُبِّ وطن اور نظریۂ وطنیت کے درمیان تمیز کرنا بھی ضروری ہے۔ حُبِّ وطن سے مراد یہ ہے کہ انسان اس خطۂ زمین سے پیار کرتا ہے جس پر اس نے جنم لیا ہے اور جس کی خوب صورت فضاؤں میں اس نے پرورش پائی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی اور فطری جذبہ ہے۔ اس کے مقابلے میں وطنیت ایک سیاسی نظریہ ہے۔ اس نظریے کے حامل افراد محض اپنے وطن سے محبت نہیں کرتے بلکہ ایک طرح کے مفروضۂ برتری کے جذبے سے سرشار ہو کر دوسری اقوامِ عالم سے نفرت کرتے ہیں اور ان کو مطیع و محکوم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماضی میں بڑی جنگوں کی ایک اہم وجہ بھی یہی بے جا جذبۂ افتخار تھا۔ ایسے مکروہ جذبات و خیالات سے اپنے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا نہایت لازمی ہے۔ اسلام کا اخلاقی درس بھی یہی ہے کہ دنیا کے سب مسلمانوں اور انسانوں سے محبت کی جائے اور ان کے اخلاق و ایمان کی اصلاح کی جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی وجہ سے ''وطنیت'' کے نظریے کی بھرپور مخالفت کی تھی کیوں کہ وطنیت کا لبادہ انسانیت کے لیے کفن ثابت ہو سکتا ہے۔ وطنیت کے نظریے کے حامل افراد کا اندازِ نظر محدود اور ان کی سوچ کا اسلوب نہایت پست ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وطن سے محبت کرنے والے اصحاب کے قلب و ذہن میں بڑی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ وہ خلوص و وفا کے اس کیفیت آفریں جذبے سے سرشار ہو کر انسانیت کی بنیادی اقدار کو بھول نہیں جاتے بلکہ اس عالمِ بے خودی میں دوسروں کو بھی گلے لگا لیتے ہیں۔

''حبِ وطن کے پاکیزہ جذبات کے لیے موزوں انداز کیا ہے؟'' یہ سوال ہر ذی شعور انسان کے فکر کا محور و مرکز رہا ہے اور اس نے جذب و عمل کے مختلف اسباب کو جنم دیا ہے۔ حبِ وطن کا سادہ ترین معیار تو یہ ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے اپنے وطن کی عظمت پر ہلکی سی آنچ آنے کا بھی خدشہ ہو اور ہر لمحہ یہ کوشش کی جائے کہ ہم اپنے مثبت اندازِ فکر و عمل سے ملک و وطن کی ہمہ جہتی پیش رفت کا باعث بنیں۔ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو سیاسی لحاظ سے وطن کی سلامتی کے خلاف ہو اور جس سے اغیار فائدہ اٹھا سکتے ہوں۔ کیونکہ سیاسی انتشار اور بدنظمی وطن کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے چنانچہ خلوصِ قلب سے کوشش کرنی چاہئے کہ ملک میں سیاسی استحکام جنم لے کیونکہ اس کے ذریعے ملک عظمت و رفعت کے تمام مدارج بکمالِ سرعت طے کر لیتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے بھی وطن کے مجموعی مفاد کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ذاتی منفعت انسان کو خودغرض بنا دیتی ہے اور ذرہ بھر مادی نفع بھی پست فطری کی طرف مائل کرتا ہے اور انسانوں کو اعلیٰ و ارفع اقدارِ حیات سے محروم کر دیتا ہے۔ یہاں نازک مواقع آدمی کے جذبۂ حُبُ الوطن کی پرکھ کا باعث بنتے ہیں۔ اونچے درجے کے انسان اپنے وطن کے مجموعی مفاد پر اپنا سب کچھ نثار کر دیتے ہیں۔ سماجی لحاظ سے بھی وطن کی ارفع اقدار کی پائیداری لازمی ہے۔ تخریب پسند عناصر سماجی انتشار کی وساطت سے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے۔ نہ صرف خود صالح و مثبت معاشرتی معیار کو اپنانا چاہیے بلکہ مستحکم اور فعال معاشرے کے قیام کے لئے بلند سماجی قدروں کی تہذیب و ارتقاء کے لیے بھی دل و جان سے سرگرمِ عمل رہنا چاہیے۔ ان سب امور کی تبلیغ و تلقین کا موثر ذریعہ فنونِ لطیف ہیں۔ چنانچہ ثقافت کے تمام شعبوں میں بھی اظہار و ابلاغ کے ایسے وسائل کو برتنا چاہیے جن سے حُبُ الوطنی کے جذبات فروغ پذیر ہوں اور وطن دشمن عناصر کی حوصلہ شکنی ہو۔ ایسی تحریر و تخلیق کا سختی سے محاسبہ کیا جائے جس میں وطن دشمنی کا ہلکا سا بھی شائبہ ہو۔ غرض ہر لحاظ سے وطن کو مقدم رکھنا چاہیے اور اس کی عظمت کے لیے ہر وقت اور ہر جگہ مصروفِ عمل رہنا چاہیے۔ خوش بختی سے ہمارے ملک میں حُبِ وطن کی ایک درخشندہ روایت بھی موجود ہے۔ اس سے ہماری مراد ستمبر 1965ء کی جنگ ہے جس میں وطن کے جیالے سپوتوں نے اپنے لہو کی سرخی سے تاریخ کا وہ باب لکھا ہے جس پر نہ صرف ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں' بلکہ جو اقوامِ عالم کے لیے درسِ بصیرت کا سبب بھی ہو گا۔ اس معرکۂ حق و باطل میں وطن کے ہر فرزند نے اپنے فرائض کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ خصوصاً بری' بحری اور ہوائی افواج کے بہادر نوجوانوں نے وطنِ عزیز کے تحفظ و بقاء کے جو شاندار کارنامے انجام دیے ہیں' تاریخِ عالم میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔

(ج) موبائل فون: اِک سہولت؟

جواب: آج سے ڈیڑھ سو سال قبل گراہم بیل نے جب ٹیلی فون ایجاد کیا تو اُس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ جب اُس کی یہ اہم ایجاد ایک مستقل سہولت بن جائے گی۔

قدیم زمانے سے انسان اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جس کی مدد سے وہ دُور بیٹھ کر اپنے رشتہ دار، عزیزوں اور دوستوں سے بات کر سکے۔ ٹیلی فون دو لفظوں کا مجموعہ ہے ٹیلی کے معنی دُور اور فون کے معنی سننا کے ہیں۔ پرانے ٹیلی فون سادہ قسم کے فون تھے جن کے لیے آپریٹروں کے ساتھ ساتھ تار کی ضرورت بھی ہوا کرتی تھی۔ یہ مشکل اُس وقت ختم ہوگئی جب وائرلیس فون ایجاد کیا گیا۔ اب ہوا میں بکھری ہوئی لہروں کی مدد سے دوسرے بندے کے ساتھ گفتگو کرنا ممکن ہوگیا ہے۔ وائرلیس فون کو مزید ترقی موبائل ٹیلی فون کی ایجاد سے ہوئی جو شروع میں بہت بڑے سائز میں تھے۔ جلد ہی مختلف کمپنیوں نے سمارٹ فون متعارف کروائے جو طاقت میں بہت تیز تھے۔

آج کے دور میں موبائل فون انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شامل ہوگیا ہے اور یہ ہر دوسرے بندے کے ہاتھ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کچھ شوقین مزاج لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے دو دو موبائل فون بھی رکھے ہوئے ہیں۔ مختلف کمپنیاں موبائل فون میں استعمال ہونے والی سم پر مختلف قسم کے سستے پیکج دے رہی ہیں۔ تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے سے رابطہ میں رہ کر ایک دوسرے کے حال احوال اور مختلف معاملات سے متعلق باخبر رہ سکیں۔ آج کل موبائل فون عام ضروریاتِ زندگی کی اشیا کے مقابلے میں کافی سستے اور ہر دوسرے بندے کی پہنچ میں ہیں۔

موبائل فون کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنے رشتہ دار، عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ رابطے میں رہتے ہیں۔ کسی بھی وقت یہ پتہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کہاں پر ہیں۔ اس کے علاوہ گھروں میں بیٹھی ہوئی خواتین دفتر اور بازار میں گئے ہوئے اپنے گھر والوں سے فرمائش کر کے ضروری چیزیں منگوا سکتی ہیں۔ ہم بس میں بیٹھے ہوئے ہوں یا راستے میں جا رہے ہوں کسی بھی معاملے کے بارے میں ہزاروں میل دور بیٹھ کر اپنے دوستوں اور پیاروں سے بات چیت کر کے ان کی مدد حاصل کرنے کے علاوہ ان کو مدد دے بھی سکتے ہیں۔

ہسپتال، فائر بریگیڈ، پولیس، ریلوے انکوائری اور اس جیسے ضروری نمبر محفوظ کر کے ضرورت پڑنے پر مدد لے سکتے ہیں۔ خدانخواستہ کسی حادثے کی صورت میں پولیس کو اطلاع کر سکتے ہیں، اہم معلومات

اپنے دوستوں کو پہنچا سکتے ہیں، کوئی مشکل اچانک آن پڑے تو اس صورت میں اپنے پیاروں سے رابطہ کر کے مدد لے سکتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں فیچر موبائل فون اور سمارٹ موبائل فون دونوں ہی بہت بڑی سہولت ہیں، مگر سہولت کے ساتھ ساتھ ان کے کچھ نقصانات بھی ہیں۔

بلاشبہ موبائل فون ایک اہم ایجاد ہے اور دورِ حاضر کی ایک اہم ضرورت بھی۔مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کے استعمال کرنے والوں کے ذہن ابھی بھی وسیع نہیں ہوئے وہ اس کے ذریعے دوسرے لوگوں کو تنگ کرتے ہیں لوگوں کو ابھی تک اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ دوسروں کا وقت ضائع کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں سوائے کسی ایمرجنسی کے۔اس لیے کہ رات کے وقت بلا وجہ کسی کو فون کرنا تہذیب کے خلاف ہوتا ہے اس کے علاوہ نوجوان نسل کو خراب کرنے میں بھی موبائل فون کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ موبائل فون کی وجہ سے وہ اپنی پڑھائی یا کام کا ٹائم برباد کرتے ہیں۔اور کچھ نوجوان تو اس پر وڈیو گیم کھیلتے رہتے ہیں، جو کہ موبائل فون کا مناسب استعمال نہیں ہے۔بعض اوقات جرائم پیشہ افراد بھی اس کا غلط استعمال کرتے ہیں۔اغوا برائے تاوان جیسے جرم میں بھی اس سے مدد لی جاتی ہے اور دھماکہ کرنے والے جنونی لوگ بھی موبائل فون کا غلط استعمال کرتے ہیں۔

آخر پر یہ کہ سکتے ہیں کہ موبائل فون جہاں ایک بہت بڑی سہولت ہے وہاں اس کے کچھ نقصانات بھی ہیں، جو کہ کم ہو سکتے ہیں اگر ان کو استعمال کرنے والے لوگ مہذب اور سنجیدہ ہو جائیں۔

سوال :7- اپنے والدہ کو خط لکھ کر ہوسٹل کے شب و روز سے آگاہ کیجیے۔ **(10)**

جواب : کمرہ امتحان

13 مارچ 2016ء

پیاری امی جان!

اسلام علیکم! اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔میں بھی یہاں بالکل ٹھیک ہوں۔آپ کا پچھلا خط ملا تھا۔مصروفیات کے باعث جوابؔ نہ دے سکا۔ میں نے سوچا تھا کہ فارغ ہو کر تفصیلاً خط لکھوں گا۔

امی جان! آپ کو یہ جان کر بے حد مسرت ہوگی کہ میں ہاسٹل میں بہت مسرور اور مطمئن ہوں اور اپنی تعلیمی سرگرمیاں توجہ اور دل جمعی کے ساتھ پوری کر رہا ہوں۔میرے سب دوست احباب بڑے اچھے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اکثر میٹرک میں فرسٹ ڈویژن حاصل کر کے پاس ہوئے ہیں۔

ان کی گفتگو، رہن سہن کا انداز اور اخلاق بہت اچھے اور متاثر کن ہیں۔

یہاں کا شیڈول بھی بہت اچھا ہے۔شیڈول کے مطابق وقت کی پابندی بہت ضروری ہے۔ یہاں کھانے کے اوقات میں بڑی باقاعدگی برتی جاتی ہے اور کھانا بھی اچھا ملتا ہے۔صبح ساڑھے سات بجے ناشتہ ملتا ہے، دوپہر تین بجے کھانا اور رات کا کھانا ٹھیک نو بجے دے دیا جاتا ہے۔ پڑھنے کے اوقات بھی مقرر ہیں اور ہاسٹل وارڈن صاحب اس بات کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ پڑھنے کے اوقات میں ہر طالب علم صرف اور صرف پڑھائی کرے۔اپنا یا دوسروں کا وقت ضائع نہ کرے۔نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔شام کو ہاسٹل کے تمام طلباء اپنی پسند کے کھیلوں میں باقاعدگی سے حصہ لیتے ہیں۔

آپ کو میرے بارے میں کسی طرح بھی فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ خوشی محسوس کریں کہ مجھے رہائش کے لیے انتہائی مناسب ہاسٹل ملا ہے۔

ابا جان کی خدمت میں عقیدتوں اور محبتوں بھرا اسلام، صدف کو پیار۔

والسلام

آپ کا فرماں بردار بیٹا

الف۔ب۔ج